شمس الرحمٰن فاروقی کے ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' میں جنس نگاری

محمد شہباز
لیکچرار اُردو
گورنمنٹ اسلامیہ کالج، سول لائنز، لاہور

ISSUES OF SEX IN KAI CHAND THAY SAR-E-ASMAN BY SHAMSUR RAHMAN FAROOQI

Muhammad Shahbaz
Lecturer in Urdu
Govt. Islamia College, Civil Lines, Lahore

Abstract

"Kai Chand They Sar-e-Aasman" by Shamasur Rahman Farooqi holds the status of a milestone in the history of Urdu novel. The writer has discussed, besides other topics, sexual and physical issues in this novel. In the perspective of world literature regarding the sexual tendency, the article sheds light on issues related to sex in Farooqi's novel.

Keywords:
جنسی شعور، فنونِ لطیفہ، ادبیاتِ عالم، فرائڈ، انگارے، فاروقی، وزیر خانم، ہندا سلامی تہذیب، امرد پرستی

انسانی خواہشات میں جنس کا جذبہ اس قدر فطری ہے کہ یہ انسان کی زندگی میں ایک زبردست طاقت کے طور پر کام کرتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ جنس کو اگر انسان کی سب سے ناگزیر اور وحشی جبلت کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ جذبہ انسانوں، حیوانوں، یہاں تک کہ زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑوں اور ہوا میں اُڑنے والے پرندوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ ماہرینِ نباتات نے تو پیڑ پودوں میں بھی جنسی رویوں کی نشان دہی کی ہے۔

یہ سوال ہر دور میں انسانی ذہن کے اُفق پر نمودار ہوتے رہے ہیں کہ ادب کا جنس سے کیا تعلق ہے؟ کیا جنسی موضوعات کو ادب کا حصہ ہونا چاہیے کہ نہیں؟ قطع نظر ان سوالوں کے یہ بات زیادہ اہم ہے کہ ادب کا جنس کے حیاتیاتی پہلو سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، کیوں کہ یہ کام تو جنسیات کے موضوع پر لکھی گئی سائنسی کتب کا ہے، گویا سائنس کے برعکس ادیب جنس کے نفسیاتی اور جذباتی پہلو تک خود کو محدود رکھتا ہے۔(۱) فنونِ لطیفہ کی تمام شاخوں، یعنی مصوری، نقاشی، سنگ تراشی اور ادب میں جنس کا اظہار اسی قماش کی ذیل میں ہوتا ہے۔ ادب میں جنسی رویوں کے اظہار کی بنیادی طور پر دو وجوہ قابلِ ذکر ہیں۔ اوّل تو یہ کہ بعض ادیب اپنی انفرادی جنسی گھٹن کی تلافی اپنی تخلیقات میں شہوانی جذبات کے اظہار کی صورت میں ڈھونڈتے ہیں۔ چوں کہ ایسے ادیب جنس کو عملی طور پر برتنے میں کسی وجہ سے ناکام رہتے ہیں، اس لیے اپنی تشنہ خواہشات کو فحش ادب لکھ کر ذہنی قرار حاصل کرتے ہیں (۲) دوم بعض ادیب ایسے ہیں جو اپنی تہذیب میں جنسی ناآسودگی کی وجہ سے پیدا ہونے والے نقائص کو بیان کر کے اپنی تہذیب کی تہذیب کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ موخرالذکر مصنفین کی تخلیقات کو زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

عالمی ادب میں جنسیات (Sexology) کا موضوع قرنوں سے ایک اہم تخلیقی محرک (Driving Force) کے طور پر کام کرتا رہا ہے، اس لیے جنس کا اظہار فنونِ لطیفہ میں کسی نہ کسی شکل میں ضرور ملتا ہے۔ سگمنڈ فرائڈ کے لفظوں میں جنس کا جذبہ زمانۂ پیدائش سے ہی انسان کے باطن میں انگڑائیاں لینے لگتا ہے، اس لیے انسانی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں جنس کا کردار انتہائی اہم رہا ہے۔ یونانی مائیتھالوجی میں جنس کے دیوتا کا نام "Eros" تھا، جس سے جنس کے لیے "Erotic" کا لفظ حاصل ہوا اور زمانۂ حال میں ادبی اصطلاح کے طور پر "Erotica" کا لفظ ہر قسم کی جنس نگاری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔(۳) خطۂ یونان کی تاریخ شاہد ہے کہ وہاں مرد اور عورت کے درمیان علیحدگی اور بے جا فاصلے حائل رہنے کی وجہ سے حسین اور خوب رُو لڑکوں سے جنسی تعلقات کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ انتہا تو یہ ہے کہ سقراط اور ارسطو ایسے حکمائے یونان

بھی اِس قبیح فعل میں ملوث نظر آتے ہیں۔(۴) اوّلاً بعض محققین نے تو ہومر کے ایلیڈ اور اوڈیسی کے نغموں میں بھی جنسی اثرات کی نشان دہی کی ہے، لیکن ہم جنس پرستی کا واضح اظہار یونانی شاعرہ سیفو (Sappho)(۵) کے ہاں کھل کر ملتا ہے۔

روم کے شعرا نے تو اظہارِ جنس کی تمام حدود و قیود کو ہی توڑ ڈالا۔ یہی وجہ ہے کہ Edmond Spencer کی "Epithalamio Poetry" کو دنیا کی عظیم ترین جنسی شاعری گردانا جاتا ہے۔ انگریزی ادب میں رچرڈسن، ڈی ایچ لارنس، مارسل پروسٹ، ڈبلیو ایل جارج، لارڈ بائرن اور کیٹس کے ہاں بھی فحش گوئی کی متنوع صورتیں موجود ہیں۔ بعینہٖ قدیم سنسکرت ادب میں بھی جنس نگاری کی امتیازی روش ملتی ہے۔ اِس ضمن میں کالی داس کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اِسی طرح عربی ادب میں زمانہ جاہلیت کی شاعری میں جنسیت اور خود تسکینی کے واضح اثرات ملتے ہیں۔ اِس حوالے سے ''سبع معلقات'' (۶) عوامی سطح پر خاص اہمیت رکھتے تھے۔ فارسی ادب میں ہم جنسیت کا رجحان موجود رہا ہے۔ گویا محمود کا ایاز کی زُلفوں میں اُلجھ جانا اور رقیقی کا اپنے غلام کے ہاتھوں قتل ہو جانا ہم جنس پرستانہ رجحانات کے ہی نتائج تھے۔(۷) ادبیاتِ فارسی میں منو چہری، شیخ سعدی، حافظ شیرازی، فردوسی، جامی اور فروغ فرخزاد کے ہاں بھی شہوانی خیال آرائی کا جزوی اظہار ملتا ہے۔

اُردو ادب میں جنس نگاری کے رجحان کی دو وجوہ قابلِ ذکر ہیں، اوّل فارسی شاعری کا تتبع، دوم مغربی ادب کے تراجم۔ اُردو میں قدیم کلاسیکی شاعری میں بھی جنس نگاری کی جھلکیاں مل جاتی ہیں۔ ملا وجہی سے نظیر اکبر آبادی (۸) تک ہم جنسیت (Homo Sex)، مخالف جنسیت (Hetro Sex) اور زوجنسیت (Lesbionism)، گویا جنس کی ہر طرح کی مثالیں موجود ہیں، جب کہ جدید اُردو شاعری میں جنس نگاری کے حوالے سے میرا جی، ن م راشد اور اختر شیرانی ایسے شعرا کے کلام کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر قدیم داستانوں، مثنویوں، ریختی اور بعض لکھنوی شعرا کے اشعار کا جائزہ لیا جائے تو ان میں سے ایسا مواد نکل آئے گا جو ''آج'' کے معیار کے لحاظ سے یقیناً فحش قرار دیا جا سکتا ہے۔(۹) اِس بات کی تائید آل احمد سرور کے اِس بیان سے بھی ہو جاتی ہے:

> ''الف لیلیٰ، باغ و بہار، داستانِ امیر خسرو وغیرہ کو جنسی عناصر سے علیحدہ کر کے دیکھیے تو وہ بے جان واقعے ہو کر رہ جائیں گے۔۔۔ کوک شاستر تو یونہی بدنام ہے ہماری بہت سی داستانیں، مثنویاں، ریختیاں، غزلیں اس اعتبار سے کسی سے کم نہیں۔''(۱۰)

اُردو فکشن میں جنس کا باضابطہ اظہار ''انگارے'' کی اشاعت سے ہوتا ہے۔ انگارے میں شریک تمام مصنفین فرائڈین تصورات سے متاثر تھے۔ انگارے کے بعد جن ادبا نے اِس شجرِ ممنوعہ کو خاص طور پر چھوا، اُن میں عزیز احمد، کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، ممتاز مفتی اور قرۃ العین حیدر کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ اِن تمام مصنفین کی تحریروں میں جنس اور جنسی نفسیات کو مختلف النوع طریقوں سے موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ مذکورہ بالا ادبا میں سے بعض کی تخلیقات بوجوہ فحش نگاری 'کام شاستر'، 'گربھ شاستر' اور 'کوک شاستر' کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔ یہ تحریریں مذہب و اخلاق کی تمام روایتی اور مقدس بندشوں کو توڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ اِسی روایت شکنی کے الزام میں ایسی تحریروں پر فحش اور مخرب اخلاق ہونے کا الزام لگتا رہا ہے، لیکن انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ شاعر اگر عریاں نگاری کو کسی بلند مقصد کے حصول کے لیے ذریعے کے طور پر استعمال کرے تو بات سمجھ میں آتی ہے اور اگر عریانی خود مقصد بن جائے تو قابلِ اعتراض ہے۔ ایسی عریانی کو عریانی کی بجائے فحاشی کہنا چاہیے۔(۱۱)

جہاں تک شمس الرحمٰن فاروقی کے ناول 'کئی چاند تھے سرِ آسماں' میں جنس نگاری کے رجحان کا تعلق ہے تو اِس کی ایک وجہ تو شاید یہ ہو سکتی ہے کہ وزیر خانم کا کردار چوں کہ جنسی لذت آمیزی کی دنیا سے تعلق رکھنے والا کردار ہے، اِس لیے مصنف نے اِس کردار کو اُس کے اصل رُوپ میں پیش کرنے اور اُس کا تاثر قائم کرنے کے لیے جنسی لذتیت کے لوازمات اِس ناول میں پیوست کیے ہوں۔ دوسرے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی چوں کہ انگریزی ادب کے ایک سنجیدہ قاری رہے ہیں، اِس لیے مغربی ادب کی چال (پیروی) میں اُنھوں نے شعوری طور پر ناول کی مقبولیت کے پیشِ نظر جنس نگاری پر زیادہ توجہ صرف کی ہو۔ مثلاً:

> ''وزیر نے کچھ آگے بڑھ کر خود کو فتح الملک بہادر کے اور بھی قریب کر لیا، کہ دونوں کچھ ہم آغوش سے ہو گئے۔ پھر اس نے اپنے پائنچے اوپر کھینچے، ساق وران کی پوری خوش منظری کے سامنے میرزا فخرو کی آنکھیں چکا چوندھ ہونے لگیں۔ وزیر نے ان کے ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لئے، اب اس کا تنفس کچھ تیز ہو چلا تھا۔ اس نے اشارے کی زبان سے کچھ یوں کہا کہ یہ ڈوپٹہ اور شلوکا اور انگیا میرے بدن سے نچ جائیں تو کیا ہی اچھا ہو۔''(۱۲)

فی الحقیقت اِس ناول میں جنسی تلذذ کی پیوندکاری، جسمانی اتصال اور ہوس رانی کی تصویریں کسی قدر غیر ضروری معلوم ہوتی ہیں۔ وہ اِس لیے کہ یہ ناول ایک ایسے دور اور ایک ایسی تہذیب کا ترجمان ہے، جسے شمس الرحمٰن فاروقی نے خود ''ہند اسلامی تہذیب'' کا نام دیا ہے، لیکن نہ جانے کیوں اُنھوں نے عریاں نگاری

ایسی آلائش سے اِس ناول کا دامن آلودہ کیا ہے ۔قابلِ غور امر یہ ہے کہ فحش بیانی کا یہ عفریت اِس ناول کے صرف ایک کردار، یعنی وزیر خانم عرف چھوٹی بیگم کی ذات تک محدود ہے، جسے یکے بعد دیگرے چار مختلف افراد نے جنس زدگی کے لیے تختۂ مشق بنایا۔ اِس کے علاوہ مصنف نے پورے ناول میں کسی اور نسائی کردار کو اِس رکاکت کے قابل نہیں سمجھا۔ جہاں کہیں تنہائی میں وزیر خانم کا سامنا مارسٹن بلیک، شمس الدین احمد خان، آغا مرزا تراب علی یا میرزا فخرو بہادر سے ہوتا ہے، مصنف کا قلم جنس نگاری کی زبان بولنے لگتا ہے اور یک لخت جسمانی لذتیت اور ستی جنس پرستی کا در وا ہو جاتا ہے ۔وزیر خانم کی جنسی بے باکی کا ایک منظر ملاحظہ کیجیے:

''اس کے پہلے کہ شمس الدین احمد کو کچھ جواب سوجھتا، وزیر نے دونوں کپڑے اتار پھینکے، ڈھیلے ڈھالے تو تھے ہی ۔۔۔پھر اس نے ڈوپٹے کو چادر کی طرح اوڑھا۔''لیجیے صاحب ،اب ادھر منھ کر لیجیے ۔اب کچھ دیکھنے کو نہیں ہے ۔''
وزیر کا بدن ڈوپٹے میں سے جھلک رہا تھا لیکن اس نے ڈوپٹے کی چادر اس مہارت سے بنائی ہوئی تھی کہ وہ اب بھی عریاں نہ لگ رہی تھی ۔اس کی کچھ شرماتی کچھ ہنستی ہوئی روشن آنکھیں البتہ شوق کے دروازے پر دستکیں دے رہی تھیں ۔'' (۱۳)

مصنف نے جنسی تلذذ کا رنگ گہرا کرنے کے لیے زیر جامہ لباس کی تراش خراش اور پوشیدہ جسمانی خطوط کے بر ملا اظہار کے بیان سے اِس ناول کو رنگین بنانے کی سعی کی ہے ۔اِس ضمن میں ساق وران، بدنی خطوط ، جسمانی زاویے، رخسار و بوسہ، سینہ، کٹوریاں، پیٹ، گردن، ہونٹ، کولہے، پنڈلیاں، ایڑیاں، ٹخنے، پنجے، تلوے، پشت کے نظارے، چھریرا پن، شباب، بدن کی قوسیں، تنی ہوئی چھاتیاں، وادیِ شانہ، سینہ کی پہاڑیاں، بدن کے نشیب و فراز، کسی ہوئی سرینیں، ریشمی جالی دار کپڑے اور شہوت انگیز رنگوں پر مبنی مختلف تراش خراش کی حامل انگیا ایسے الفاظ ناول کے جنس زدہ ہونے کا واضح ثبوت فراہم کرتے ہیں ۔ذرا دیکھیے:

''دوہر کا پاجامہ عموماً بدن کے خطوط کو ڈھانکنے کے لیے پہنتے ہیں، لیکن وزیر اپنے بدن کو کچھ اس طرح چرا کر دو پہلو بیٹھی تھی کہ رانوں کے زاویے کچھ نمایاں ہونے لگے تھے ۔نہایت باریک ریشمی جالی دار ہلکے دودھیا رنگ کے تاش کی انگیا خوب ٹھیک کسی ہوئی تھی ۔انگیا کی آستینیں بس ذرا ذرا سی، شانوں کے آگے بازوؤں کے اوپری حصے کو بمشکل ڈھک رہی تھیں ۔آستینوں پر بھاری سچے کام کے پٹھے تھے ۔انگیا کا گھاٹ نیچا تھا، لیکن اتنا نہیں کہ بے حیائی معلوم ہو۔کٹوریاں سادہ لیکن ان پر بہت باریک بادلے سے مناسب جگہوں پر تارے

> کلے ہوئے تھے۔ پچھوے اور بازو چوڑے تھے، مگر پھر بھی پشت اور پیٹ کی جھلک رہ رہ کر نمایاں ہو جاتی تھی ۔۔۔ کرتی کا کپڑا اس قدر لطیف تھا کہ انگیا کا رنگ اس کے نیچے صاف جھلکتا تھا، لیکن اس میں پھر بھی پردے کا کچھ ایسا اہتمام تھا کہ گریبان کے نیچے صرف اشارے ہی اشارے تھے صراحت کہیں نہ تھی۔'' (۱۴)

مارسٹن بلیک وزیر خانم کے جسمانی تقاضوں اور جنسی ضرورتوں کو خوب سمجھتا تھا اور شاید سب سے زیادہ جنسی و بدنی آسودگی اِن دونوں نے ہی ایک دوسرے سے حاصل کی، بل کہ عریاں نگاری کا بیان سب سے زیادہ انھی دو کرداروں کے باہمی اختلاط میں پایا جاتا ہے:

> ''مارسٹن بلیک کو کچھ ایسا گر معلوم تھا وہ از خود سمجھ لیتا کہ آداب بستر کے اعتبار سے چھوٹی بیگم کے ساتھ کب کس طرح کا برتاؤ کیا جائے۔ وہ کچھ جبلی طور پر سمجھ لیتا تھا کہ کب میرا خیر مقدم گرم جوشی سے ہوگا۔ اور جب دونوں کی طبیعتیں حاضر ہوتیں تو کم و بیش ساری ساری رات نہ وہ تھکتا اور نہ یہ گھبراتی۔'' (۱۵)

بہ غور دیکھا جائے تو وزیر خانم کے مقابلے میں 'امراؤ جان ادا' کے کردار میں جنسی جذبات کی برانگیختگی اور ہیجان انگیزی قدرے کم دکھائی دیتی ہے، حال آں کہ اُس کا پیشہ ورانہ کردار اُس سے اِس بات کا تقاضا بھی کرتا تھا۔ دراصل امراؤ جان ادا کی ذات بازارِ حسن کی تہذیب و معاشرت کے ایک خاص رُخ کی آئینہ دار ہے، جب کہ وزیر خانم تہذیب و معاشرت کے اُس خاص رُخ کی اِس تصویر کو مکمل کرتی ہے اور اِس حقیقت کو بھی آشکار کرتی ہے کہ اِس بوالہوسی کے اسیر معاشرے میں مناکحت کے علاوہ بھی جنسی آسودگی کی صورتیں رائج تھیں۔ ایسے ہی تعلقات کے نتیجے میں وزیر خانم کے ہاں مارٹن بلیک، سوفیہ بلیک اور داغ دہلوی ایسے شاعر کا تولد ہوا، جب کہ امراؤ جان ادا بے اولاد ہی رہی۔ اِس جزوی تفاوت کے باوجود وزیر خانم کو امراؤ جان ادا کا تکملہ کہا جا سکتا ہے۔ (۱۶) مصنف نے وزیر خانم کے کردار میں جنسی جواز کی گنجائش کئی حوالوں سے پیدا کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ بادی النظر میں تو مرد حضرات ہی وزیر خانم کو جنسی ہیجان انگیزی کی طرف راغب کرتے تھے، لیکن وزیر خانم خود بھی صنفِ مخالف میں جنسی آسودگی تلاش کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، کیوں کہ مرد کی بدنی ضرورتوں اور خواہشات کو وزیر خانم خوب سمجھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ وصال کے بعد بھی آمادۂ وصال رہتی تھی۔ میرزا فخرو کے ساتھ تو ایک پورا باب جنسی کثافت سے لبریز ہے:

> ''تب کہیں جا کر شمس الدین احمد نے تخلیہ کیا اور وزیر کو بھی اپنے ساتھ حجرۂ خواب میں لے

جا کر دروازہ بند کر لیا۔ وزیر چیں بجبیں ہوتی رہی کہ دن دہاڑے کا یہ کون سا چونچلا ہے لیکن نواب نے ایک نہ سنی۔ اور سچ پوچھئے تو وزیر کو بھی بس بہانہ مطلوب تھا۔ شمس الدین احمد نے اسے آغوش میں کھینچ کر اس کے منھ اور آنکھوں اور سینے پر بوسوں کی بارش کر دی تو اس کا سارا وجود اس بارش میں حل ہو کر شمس الدین احمد کی رگ رگ میں پیوست ہو گیا۔" (۱۷)

جنسی و شہوت انگیز کیفیات پیدا کرنے کے لیے شمس الرحمٰن فاروقی نے وزیر خانم کی نٹ کھٹ طبیعت، دعوت آمیز اشاروں اور چونچلوں سے خوب کام لیا ہے اور بوسہ بازی تو گویا عریاں نگاری کی تمہید رہی، مگر جب وزیر خانم بار بار "چلئے ہٹیے"، "چھوڑیے"، "ہر بات کا موقع اور محل ہوتا ہے" اور "کچھ شرم ہی نہیں ہے" ایسے الفاظ کہتی ہے تو اس کا مطلب "دعوتِ وصل" کے مصداق اثر رکھتا ہے:

"مارسٹن بلیک نے بڑھ کر اس کے ہاتھوں اور بالوں اور منھ اور گردن اور ماتھے پر بوسے دیئے۔ وہ ہٹیے، یہ کیا کر رہے ہیں۔ نوکر دیکھ لیں گے" کہتی ہی رہ گئی۔" (۱۸)

اعضائے مخصوصہ کے بیان میں فاروقی نے کسی قدر شوخی و بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے۔ وزیر خانم جنسی تحریک کو بڑھانے میں اپنا پورا حصہ ڈالتی ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ جنسی تلذذ کو دوچند کرنے کے تمام گُر جانتی تھی تو غلط نہ ہوگا۔ مرد کرداروں کی بہ نسبت وزیر خانم کے کردار میں جنسی تحرک کو بڑھانے، بدنی تقاضوں کی آسودگی کا اہتمام کرنے اور صنفِ مخالف کو مائل بہ لذت کرنے کا ملکہ کہیں زیادہ پایا جاتا ہے۔ گو کہ مارسٹن بلیک بھی اِس ضمن میں اُس کا ہم پلہ تو دکھائی دیتا ہے، مگر وزیر خانم سے زیادہ اِس فن میں ماہر ہونے کا ثبوت وہ بھی فراہم نہیں کرتا:

"اس کے جسم کی عروق مردہ میں نیا کس بل، نیا تناؤ آ گیا۔ اسے اپنی چھاتیاں کھنچتی اور تنتی ہوئی محسوس ہوئیں، جہاں مدتوں کسی گستاخ نے سر نہ اٹھایا تھا وہاں گردن افرازی کے دو سرمئی نقطے پیدا ہو گئے۔ گویا کسی سحر کے زور سے اس کی شربتی آنکھوں کا عکس وہاں پرتو زن ہو گیا ہو۔ بس کہ پیشانش بہ بالا سر کشید عکس چشم کا فرش بروے فتاد۔" (۱۹)

امرد پرستی کا رجحان قدیم زمانے سے ملتا ہے۔ تاریخ کی کوکھ میں جھانک کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ سقراط اِس کرۂ ارض پر اوّلین ہم جنس پرست تھا، جس نے ہم جنس پرستوں کی شناخت کے لیے بنیادیں فراہم کیں۔ (۲۰) امرد پرستی کی ہلکی سی لہر اِس ناول میں بھی موجود ہے، جو اُس دور کی آلودہ ذہنیت اور مخلوط معاشرے کی بدتہذیبی کو آشکار کرتی ہے۔ یہ وبا اُس معاشرے میں اِس قدر سرایت کر چکی تھی کہ بڑے بڑے

شرفا و نوابین بھی اِس لت میں مبتلا تھے اور یہ سماجی برائی معاشرے میں اِس قدر رذیل ہو چکی تھی کہ ہر کس و ناکس بالخصوص عورتیں بھی اِس کے اثرات و نتائج سے نہ صرف باخبر تھیں، بل کہ حسد کا شکار تھیں کہ یہ اُن کے حق پر گویا ڈاکا ڈالنے کے مترادف تھا۔ جب وزیر خانم کے لیے بہادر شاہ ظفر کے بیٹے میرزا فخرو بہادر کا رشتہ آتا ہے تو وزیر خانم اِن الفاظ میں استفسار کرتی ہے:

''کچھ۔۔۔لونڈوں وغیرہ کی صحبت تو در گیر نہیں؟'' وزیر نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔'' (۲۱)

بات کو سمیٹتے ہوئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ بالفرض شمس الرحمٰن فاروقی اِس ناول میں وزیر خانم کی بدنی آوارگی اور جنسی عیاشی کو اتنا کھل کر بیان نہ بھی کرتے اور یہ ناول جسمانی تلذذ کی لغزش سے مبرا ہوتا تو تب بھی اِس ناول کی تاثیر (Appeal) میں ذرہ برابر کوئی فرق نہ پڑتا، مگر مصنف جنس نگاری کے حوالے سے وزیر خانم کے کردار کے سامنے ''مجبور محض'' دکھائی دیتے ہیں، جب کہ حیدر قریشی کا کہنا ہے:

''جنسی عمل کی منظر کشی میں شمس الرحمٰن فاروقی کی جزئیات نگاری کی مہارت اپنے کمال پر دکھائی دیتی ہے۔ اگر انھوں نے ناول کو آج کے عہد کی اُردو میں لکھا ہوتا تو صرف جنسی جزئیات کے باعث ناول ہاتھوں ہاتھ لے لیا جاتا۔'' (۲۲)

حیدر قریشی کی رائے سے اتفاق کرنا اتنا آسان نہیں ہے، کیوں کہ جنس نگاری کسی بھی ناول کی وقتی مقبولیت کا باعث تو ہو سکتی ہے لیکن دائمی وقار و اعتبار جنسی مصوری سے حاصل نہیں کیا جا سکتا اور یوں بھی ناول کی کہانی اور اس کے حالات و واقعات نہ تو جنس نگاری کا تقاضا کرتے ہیں اور نہ ہی اِس غیر ضروری بارِ گراں کو سہار سکتے ہیں، مگر مصنف جنسیات کی آلائش کو زبردستی ناول کا حصہ بنانے پر بضد نظر آتے ہیں، جس کی وجہ سے ناول کی تہذیبی و ادبی تقدیس مجروح ہوئی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی کی عریاں نگاری قاری کے جنسی شعور میں ہیجان و انتشار پیدا نہیں کرتی، مگر اس کے باوجود عریاں بیانی کے باب میں اُنھیں بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

☆☆☆☆☆

حواشی وحوالے

(۱) دیویندر اسر ۔ادب اور نفسیات ۔دہلی :مکتبۂ شاہراہ،۱۹۶۳ء،ص ۱۲۴

(۲) عبدالرشید خان ،ڈاکٹر ۔اُردو افسانے میں جنس نگاری ۔دہلی : ذکری انٹرنیشنل پبلشرز،۲۰۱۰ء،ص ۱۳

(۳) سلیم اختر ،ڈاکٹر ۔تنقیدی اصطلاحات توضیحی لغت ۔لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۱ء،ص ۱۰۸

(۴) محبوب اعلیٰ قریشی ،ڈاکٹر ۔اُردو مثنویوں میں جنسی تلذذ ۔دہلی :تخلیق کار پبلشرز،۱۹۹۳ء،ص ۱۶۳

(۵) سیفو کا تعلق یونان کے اُس خطے سے تھا ،جہاں ''ای اولین'' شاخ کے قبیلے آباد تھے ۔یہ خطہ شمالی یونان میں تھا اور اس کا مرکز جزیرہ ''لس بوس'' تھا ۔یہاں عورتیں عوامی جلسوں میں آزادانہ طور پر شریک ہوتی تھیں اور معاشرتی امور ،فنون وادب اور شعروسخن کی محفلوں میں بھی ان کی دل چسپی وانہماک مردوں سے کم نہ تھا ۔دنیا کی قدیم تاریخ میں آزادیٔ نسواں کی ایسی مثال دوسری جگہوں پر شاید ہی ملتی ہو ۔جزیرہ لس بوس کے اسی آزادانہ ماحول میں سیفو نے جنس کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا ۔

(۶) اِن معلقات کی تعداد سات تھی جنھیں سونے کے پانی کے ساتھ لکھ کر خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ لٹکایا جاتا تھا ۔اِن معلقہ نگاروں میں شہزادہ امراؤالقیس کا نام سرفہرست ہے ،جو بہ ذاتِ خود ایک جنسی جنونی تھا ،وہ عورتوں کے عُریاں جسم کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے کا بے حد شوقین تھا ۔خاص طور پر وہ اپنی چچا زاد بہن اور محبوبہ عُمیزہ کے عُریاں جسم کو دیکھا کرتا تھا ۔اُس کا معلقہ ۸۱ اشعار پر مبنی ایک طویل قصیدہ ہے ،جس میں اُس نے اپنی محبوبہ عُمیزہ کے ساتھ ایسے نقشے کھینچے ہیں ،جو انتہائی عریاں ،جنسیت سے بھرپور اور معاملہ بندی کی آخری حد ہیں ۔

(۷) عبدالرشید خان ،ڈاکٹر ۔اُردو افسانے میں جنس نگاری ۔ص ۲۵

(۸) نظیر اکبرآبادی کی تین نظمیں ''تجردکے مزے'' ''برہ کی کوک'' اور ''مزے کی باتیں'' اِس ضمن میں بہ طور نظیر پیش کی جاسکتی ہیں ،جن میں جنس نگاری کا واضح رجحان ملتا ہے ۔

(۹) سلیم اختر ،ڈاکٹر ۔تخلیق ،تخلیقی شخصیات اور تنقید ۔لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز،۱۹۸۹ء،ص ۴۷

(۱۰) آل احمد سرور ۔نئے اور پرانے چراغ ۔دہلی : حالی پبلشنگ ہاؤس ،۱۹۴۶ء،ص ۲۲

(۱۱) ابوالاعجاز حفیظ صدیقی ۔کشاف تنقیدی اصطلاحات ۔اسلام آباد :مقتدرہ قومی زبان ،۱۹۸۵ء،ص ۱۲۳

(۱۲) شمس الرحمٰن فاروقی ۔کئی چاند تھے سرِ آسماں ۔کراچی :شہرزاد،۲۰۰۶ء،ص ۷۶۷

(۱۳) شمس الرحمٰن فاروقی ۔کئی چاند تھے سرِ آسماں ۔ص ۳۳۶

(۱۴) ایضاً ،ص ۲۲۰

(۱۵) شمس الرحمٰن فاروقی ۔ کئی چاند تھے سرِ آسماں ۔ ص۱۷۹، ۱۸۰
(۱۶) وحید الرحمٰن خان، ڈاکٹر ۔ ''وزیر خانم اور امراؤ جان ادا: تقابلی مطالعہ'' مشمولہ اورینٹل کالج میگزین ۔ لاہور، جلد: ۸۷، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۲ء، ص۱۵۹
(۱۷) شمس الرحمٰن فاروقی ۔ کئی چاند تھے سرِ آسماں ۔ ص ۴۲۷
(۱۸) ایضاً، ص۱۹۳
(۱۹) ایضاً، ص۶۶۷
(۲۰) پال رسل ۔ سو مشہور ہم جنس پرست ۔ مترجمہ: یاسر جواد ۔ لاہور: نگارشات پبلشرز، ۲۰۰۸ء، ص۱۹
(۲۱) شمس الرحمٰن فاروقی ۔ کئی چاند تھے سرِ آسماں ۔ ص۳۲۷
(۲۲) حیدر قریشی ۔ حاصلِ مطالعہ ۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۸ء، ص۱۳۲

❋❋❋